کنابیات

سیرۃ الخلیل (بابِ دوم)

علم الیقین سے عین الیقین تک

مولانا لطف الرحمٰن بنوی

آسمانوں اور زمین پر مشتمل اس عالم کائنات کی مثال آہنی پٹڑی پر دوڑنے والی اس برقی یا دُخانی انجن کی سی ہے، جس کی حرکت کرنے والی بیرونی کلیں اور تیزی سے گھومنے والے پہیے تو نظر آتے ہیں مگر مال اور سواریوں سے لدے ہوئے لا تعداد بھاری بھرکم ڈبوں کو کھینچنے والی اصل طاقت اور اس کا سرچشمہ دکھائی نہیں دیتا۔

اس کے مختلف درجوں میں روزانہ سفر کرنے والے اور اس کے ذریعے سے اپنے حسبِ منشا ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہونے والے ہزاروں اور لاکھوں اچھے خاصے ذہین اور جہاندیدہ لوگ بھی اس کی ساخت و پرداخت اور اس کے جوف میں سرگرم عمل بے شمار چھوٹے بڑے پرزوں کے باہمی ربط و تعلق اور طریقۂ کارکردگی کو سمجھنے کی نہ تو کوئی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی اس قسم کی تحقیقات ان کے لئے چنداں ضروری۔

وہ اس کی کمال باربرداری اور سرعت رفتاری کو دیکھ دیکھ کر حیران تو ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس کے پس منظر میں حرارت کی دہکتی ہوئی بھٹیوں، توانائی کے پھٹنے والے گولوں اور دوسرے کیمیائی اعمال کے کون و فساد کی کارفرمائیوں سے یکسر ناواقف اور نابلد ہوتے ہیں۔

ریل میں قانونی رعایتوں کے ساتھ سفر کرنے کے لئے ٹکٹ کا لینا اور کچھ دوسرے معمولی قسم کے انتظامی ضوابط کی پابندی کرنا ان کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اس کے برعکس محکمہ ریلوے کے وہ انجینیرز اور میکینکس کہ جن پر انجن کی خرابی کی صورت میں مرمت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس سطحیت پر اکتفا نہیں کر سکتے، فنی مہارت حاصل کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے ان کو انجن سازی کے بڑے بڑے کارخانوں اور ورکشاپوں میں داخلے دلائے جاتے ہیں۔ وہاں مشینری کی ساری تفصیلات بتلائی جاتی ہیں۔ پرزوں کے جوڑ و ترتیب کے عملی تجربے کرائے جاتے ہیں اور قوت کے مخزن برق یا اسٹیم کی بابت کافی معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت فتور کی صحیح صحیح تشخیص اور اس کے ازالے کی مؤثر

تدابیر کر سکیں۔

بعینہٖ اسی طرح کائنات کی یہ مشینری جو نامعلوم زمانے سے چل رہی ہے ظاہری اجسام اور معنوی اقدار کی دو حقیقتوں سے مل کر بنی ہے، ہماری نظریں اجسام کے طول و عرض اور عمق کی مقداروں پر تو پڑتی ہیں مگر اقدار کے غیر مرئی وجود اور اجسام کے ساتھ ان کی لطیف نسبتوں کی اس ظاہر بینی کے ساتھ قطعاً نہیں پاتیں۔

ظواہر کے اس پورے نظام سے جو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے ہم اپنی زندگیوں میں برابر مستفید ہوتے رہتے ہیں اور اس کے ذریعے سے اپنی ضروریات و حوائج کی تکمیل ہوتے، دیکھتے اور سمجھتے رہتے ہیں۔ لیکن بواطن کی اثر آفرینیاں ہماری نگاہوں سے کلی طور پر مستور و محجوب ہوتی ہیں۔ بلاشبہ اس جہان رنگ و بو کی صحت و فساد کا زیادہ تر دارومدار انہی معنوی اقدار کے اعتدال اور بے اعتدالی پر ہوتا ہے۔ مگر یہ اسرار و معارف بھی ہمارے حیطۂ ادراک سے ماوراء ہوتے ہیں۔

عام انسانوں کے لئے صرف اتنی سی بات کافی ہوتی ہے اور اسی کے وہ مکلف بھی ہوتے ہیں کہ ان مخفی قوتوں کی فعالی اور اثر انگیزی کو علمی طور پر تسلیم کریں اور اجسام کے برتنے میں انھیں کے مبنیہ تقاضوں کو مدنظر رکھیں۔

مگر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی مقدس جماعت جو در حقیقت کارخانۂ قدرت کی فطری رفتار کو قائم رکھنے پر مامور ہوتی ہے اور اس کے ہر سقم اور مرض کی نشان دہی اور اس کی اصلاح و علاج کے مناسب طریقے تبلانے کی ذمہ دار ہوتی ہے فقط مظاہر اور مناظر کے علم پر قانع نہیں ہو سکتی۔

انسانی افکار و اعمال ہی وہ معنوی اور روحانی اقدار ہیں جو تقاضے کائنات کی اساس ہیں، افلاک و عناصر کی یہ محیر العقول چکی انہیں کے محور کے گرد گھومتی ہے اگر برق یا اسٹیم کے بغیر ریلوے انجن ایک گام کا فاصلہ طے نہیں کر سکتی تو یقین جانیئے کہ افکار و اعمال کی تندرستی اور تنومندی کے بغیر کائنات کی یہ دنیا ایک لمحے کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

جس قدر معنوی قدروں میں صحت کا عنصر غالب ہوگا اسی قدر عالم میں امن و امان اور خوشحالی ہوگی اور جوں جوں اور جتنا جتنا ان میں فتور پیدا ہوتا ہوگا توں توں اور اتنی اتنی عالم میں کشیدگی اور بدحالی بڑھتی چلی جائے گی تا آنکہ روح کا مکمل فساد مادے کی مکمل تباہی پر منتج ہو اور قیامت کا

ہنگامہ برپا ہو۔

اس تفصیل کی رعایت کے ساتھ اب قرآنی قطعۂ آیت،

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا (سورۃ شوریٰ آیت ۵۲) — اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔

پر غور فرمایئے کہ کس طرح سے علم شریعت پر روح کا اطلاق کیا گیا ہے یہ کوئی تشبیہ نہیں بلکہ عین حقیقت ہے کیونکہ شریعت ...... اس کے اصول وفروع سمیت ...... پر عمل ہی عالم کبریٰ کی صحت وصلاح کا ایسا ہی ضامن ہے جیسے کہ روح انسانی کی صحت وصلاح خود انسان کا، اور جس طرح سے روح انسانی عالم امر سے بھیجی ہوئی ایک مجہول الماہیت حقیقت ہے۔ ٹھیک اسی طرح سے شریعت عالم امر سے متعلق وہ وحی الٰہی ہے جس کی اصلیت کائنات کے ساتھ اس کے رابطے اور اس پر اثر اندازی کی کیفیت علم ظاہر کی پہنچ سے قطعاً خارج ہے۔

اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ذریعے سے ان کی پوری پوری امتوں کو عقائد واعمال کی قدرتی نوعیتوں اور ان کی اثر آفرینیوں سے تو آگاہ فرماتا رہا ہے لیکن ان کی عملی کیفیات، تو یہ فقط انبیاء صلوٰت اللہ علیہم اجمعین یا دعوت وتبلیغ کے عظیم کام میں ان کی صحیح جانشینی کرنے والے اولیاء وصلحاء میں سے ہر ایک کو اس کے کام کی عظمت کے اندازے پر حقیقی یا مثالی شکل میں دکھاتا ہے، نیز روح وما دے اور جواہر واجسام کے باہمی انسلاک کو بھی منکشف فرما دیتے ہیں تاکہ وہ علم الیقین سے گزر کر عین الیقین کے مرتبے پر فائز ہوں اور اس طرح سے وہ ایک طرف تو شرعی احکام کی مصلحتوں کے رازداں بن جائیں اور دوسری طرف طاغوت کے مقابلے میں کسی مرحلے پر بھی وہ جھجک محسوس نہ کریں جو عمل تبلیغ کے کسی بھی کٹھن مرحلے پر استقامت میں مخل ہو۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنی برگزیدگی اور جلالت قدر کی بدولت معتبر انبیاء میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ قدرت نے کشف الغطاء اور حدید البصری کی نعمتوں سے اس دنیا میں ممکنہ حد تک نوازا تھا اب اس کی ژرف نگاہی مجاز کے ہزاروں رنگین چھتوں سے گزر کر پردہ نشین حقائق کا ادراک کر لیتی، اپنے اثنائے حیات میں حقائق شناسی کی تلوار سے باطل کی بے شمار پُر فریب تشبیہوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے اور ان کے اندر بھری ہوئی غلاظتوں کو بے نقاب کر دیا قرآنی ارشاد،

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ — اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے دکھا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (سورۃ انعام آیت ۵) — وہی آسمانوں اور زمین کی حکومت تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جاتے،

کی تفسیر میں مشاہدۂ ملکوت کی دوسری روایات کے ساتھ ساتھ ابن عباسؓ کی اس روایت کو کس قدر اہمیت حاصل ہے جس کو حافظ ابن کثیرؒ نے امام احمدؒ اور ترمذیؒ کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے۔

فانہ تعالیٰ جلیٰ لہ الامر سرہ وعلانیتہ فلم یخف علیہ شیٔ من اعمال الخلائق فلما جعل یلعن اصحاب الذنوب قال اللہ انک لا تستطیع ھذا فردہ اللہ کما کان قبل ذلک فیحتمل ان یکون کشف لہٗ عن بصرہ حتی رأی ذلک عیانا و یحتمل ان یکون عن بصیرتہ حتی شاھدہ بفؤادہ و تحققہ وعرفہ وعلم مافی ذلک من الحکم الباھرۃ والدلالات القاطعۃ۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر اپنے امر کا ظاہر اور باطن منکشف فرمایا اور لوگوں کے اعمال میں سے کوئی چیز چھپی نہ چھوڑی تو آپ نے گنہگاروں کو لعنت کرنا شروع کیا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اسے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے چنانچہ دوبارہ پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا اب یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی آنکھیں کھول دی گئی ہوں اور یہ سب کچھ باصرہ کے مشاہدہ میں آچکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی فہم و بصیرت روشن اور قوی کردی گئی ہو اور یہ سب کچھ دل کی آنکھ سے دیکھ لیا ہو اور اس کی خوب معرفت حاصل کی ہو اور اس کے اندر جو واضح ترین حکمتیں اور یقین آفرین ولائل تھیں، ان کو بھی سمجھ لیا ہو۔

مگر افسوس کہ علمائے ظاہر بین نے اس پر اس کے مناسب حال توجہ نہیں فرمائی۔

عجائباتِ تکوین کا مشاہدہ

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے تعلق کی صحیح نوعیت کو کون جانے؟ اس کی گہرائیوں، گیرائیوں اور نزاکتوں کا کیسے ٹھیک ٹھیک علم و ادراک ہو، جبکہ عقلِ انسانی کے لئے نہ تو الوہیت کی پوری معرفت ممکن اور نہ ہی نبوت کی تفصیلی شناخت آسان، یہاں تو حسنِ

واحتیاط کا یہی تقاضا ہے کہ علم واعتقاد کی اسی مقدار پر قناعت کی جائے جو قرآن وحدیث میں مصرح ہے اسی میں فکر وعمل کی سلامتی اور پختگی کا راز مضمر ہے۔ الٰہیات ونبوات کی فلسفی اور کلامی بحثیں انتشار وبے اطمینانی کے سوا کوئی مفید اضافہ نہیں کر پاتیں[۱]۔

بلاشبہ خداوند قدوس کی بارگاہ صمدیت میں کسی کو بھی دم مارنے کی مجال نہیں[۲]۔ کون ہے جسے تسلیم ورضا کے علاوہ تاب سخن ہو یا اطاعت وحکمبرداری کے سوا کسی دوسرے راہ عمل کو اختیار کرنے کی سکت۔ یہاں تو بہت بڑے بڑے گردن فرازوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور "أسْلِمْ" کے جواب میں طوعاً یا کرہاً "أسْلَمْتُ" ہی کہنا پڑتا ہے لیکن بایں ہمہ جاہ وجلال کی مرعوبیتوں اور قانون وعدالت کی سختیوں کے بیچ بیچ میں مہر ومحبت کی وہ رخصتیں اور فضل وکرم کی وسعتیں بھی جھلکتی ہیں، جہاں دور سے دیکھنے والے کو خالق ومخلوق کی سرحدیں غیر متناہی فاصلوں کے باوجود زمین وآسمان کے افق کی شکل میں باہم ملی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

خلیل اللہ علیہ السلام کی ساری زندگی تفویض وسپردگی کی ایک مسلسل داستان ہے جس

---

[۱] الٰہیات کے فلسفی مسائل کی کیا قدر وقیمت ہے، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی "تہافۃ الفلاسفہ" کے مطالعے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات میں کہیں پر ان کا یہ قول نظر سے گزرا ہے کہ ریاضیات میں پوری طرح اور طبیعیات میں کسی حد تک اپنی عقل کا کمال دکھانے والے فلاسفہ جب الٰہیات میں گفتگو کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے عقل کی ضروری مقدار بھی ان کے پاس موجود نہیں، اسی طرح سے الٰہیات سے متعلقہ کلامی بحثیں بھی گو فلسفیانہ گمراہیوں کا قلع قمع کرنے میں کسی حد تک مفید ثابت ہوسکتی ہیں لیکن نہ صرف یہ کہ کسی خالی الذہن انسان کے اطمینان کا ذریعہ نہیں بنتیں بلکہ الٹا ایک ذہنی بے قراری اور تردد کا موجب بنتی ہیں، امام ہمام محمد بن ادریس الشافعیؒ نے ایک موقعہ پر علم کلام کے غلبۂ شر علی الخیر کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی کو یوں مخاطب فرمایا تھا کہ کلام کی بجائے فقہ سے شغل رکھو کیونکہ کسی کا تمہیں کافر کہنے سے یہ بہتر ہے کہ وہ تمہیں فاسق کہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم کلام کے چوٹی کے علماء مثلاً فخر الدین رازیؒ، امام غزالیؒ وغیرہم کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ آخری عمر میں اس سے دست کش اور بیزار ہوگئے ہیں۔

[۲] یہ ہمارے شیخ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا وہ خصوصی جملہ ہے جو کسی کلامی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے باربار استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے اس میں میرے لئے اظہار مقصود کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یاد اور شوق ومحبت کی چاشنی بھی ہے،

میں کہیں بھی کوئی ایسا مقام نہیں آتا جہاں ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری جانب ہٹنے پائی ہو، بار بار کی ابتلاؤں میں جب انھوں نے اپنی بندگی کا بھرپور مظاہرہ کیا اور عبودیت کا کوئی تقاضا ادھورا نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے "سرِّ تکوین" کو ان پر فاش کر دیا اور انھوں نے وہ سب کچھ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا جو عام طور پر علمی دلائل کی روشنی میں دل کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں اس عظیم المرتبت انسان کو خدا جانے کتنے تجربے کرائے جا چکے ہوں گے لیکن قرآن کریم صرف ایک واقعہ ـــ احیائے موتیٰ ـــ کا بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ اور پھر خود صاحب واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی اس کی علت غائی کی بھی وضاحت کروائی جاتی ہے تاکہ بعد میں آنیوالی نسلیں اس موحد اعظم کی بابت کسی قسم کے اشتباہ والتباس میں نہ پڑیں۔

قرآن مجید کا بیان ہے :ـ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار! دکھلا مجھے کیونکر زندہ کرے گا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا۔ کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جائے میرے دل کو فرمایا تو پکڑ چار جانور اُڑنے والے پھر ان کو ہلا لے اپنے ساتھ۔ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا۔ چلے

(سورہ بقرہ آیت ۲۶۰)

آویں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

یعنی خلیل اللہ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرا دیجئے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے کیا آپ کو ہماری قدرت کاملہ پر یقین نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاوی ہے؟ ابراہیم علیہ السلام کی

درخواست پر حق تعالیٰ کے اس استفسار سے مقصود یہ تھا کہ خلیل اللہ علیہ السّلام کے ایمانِ کامل کا اقرار و اظہار خود ان کی زبان سے کرالیا جائے اور دنیا کو یہ تعلیم بھی مل جائے کہ ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی اور فقدانِ ایمان سے پیدا نہیں ہوتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام عرض کرتے ہیں کہ ایمان کے درجے تک تو یقین اب بھی حاصل ہے۔ ہاں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدے کے بعد اطمینان اور زیادہ حاصل ہو جائے۔ کیوں کہ انسان کی فطرت اور افتاد ہی کچھ ایسی ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا یقینی ہو اس میں اس کے خیالات منتشر ہوتے رہتے ہیں کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا یہ ذہنی انتشار سکونِ قلب اور اطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرما کر آپؑ کو حکم دیا کہ چار پرندے اپنے پاس جمع کریں پھر ان کو پاس رکھ کر ہلالیں کہ وہ ایسے ہل جائیں اور مانوس ہو جائیں کہ آپ کے بلانے سے فوراً آجایا کریں اور ان کی پوری شناخت بھی ہو جائے تاکہ یہ شبہ نہ رہے کہ شاید کوئی دوسرا پرندہ آگیا ہو۔ پھر ان جانوروں کو ذبح کر کے اور ہڈیوں اور پروں سمیت ان کا خوب قیمہ سا کر کے اس کے کئی حصّے کر دیں پھر ان کو بلائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے زندہ ہو کر دوڑے دوڑے آپ کے پاس آجائیں گے۔

تفسیر روح المعانی میں بسند ابن المنذر حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایسا ہی کیا۔ پھر ان کو للکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پَر سے پَر، خون سے خون اور گوشت سے گوشت مل ملا کر سب اپنی اپنی اصلی حالت میں زندہ ہو کر دوڑتے دوڑتے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس آگئے۔

بعض تفاسیر نے ان چار پرندوں کے نام بھی بتلائے ہیں کہ وہ مور، مرغ، کوّا اور کبوتر تھے لیکن یہ تعیین عقل کی راہ سے تو ہو ہی نہیں سکتی اور اس کی پشت پر کوئی قابلِ قبول نقل و روایت بھی نہیں۔ علاوہ ازیں مقصودِ واقعہ کہ رب تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے، کی حد تک اس کی ضرورت بھی نہیں۔ لہٰذا یہ اضافہ نہ صرف غیر مستحسن بلکہ نامناسب بھی ہے۔

معجزات ہوں کہ عجائباتِ تکوین کے مشاہدات، محض حق تعالیٰ کا فعل اور اسی کا عطیہ ہوتے ہیں جن میں ایک مثالی اور تکمیلی عبودیت کی نشانی و علامت بننے کے سوا انبیاء علیہم السّلام کی کسی ایسی صفت پر دلالت کرنے کی کوئی صلاحیّت موجود نہیں ہوتی جو ان

کے کسی مافوق البشری مقام و مرتبے کی جانب مشیر ہو۔ نیز ایک انتہائی ضروری بات اس موقعہ پر سمجھنے کی یہ ہے کہ معجزات تو بلا شبہ نبوّت کا حصّہ ہوتے ہیں جو ہر نبی کو نبوّت کے ساتھ ہی بن مانگے عطا کئے جاتے ہیں لیکن تکوینی مشاہدات کا یہ پایہ ہرگز نہیں ان کو زیادہ سے زیادہ ایک اضافی خصوصیت کہا جا سکتا ہے جو کسی کسی کو اور وہ بھی غالباً اس کی درخواست پر میسر ہوتی ہے۔

ارباب تفسیر کی اکثریت ابراہیم علیہ السّلام یا کچھ دوسرے انبیاء علیہم السّلام والتسلیمات کے ایسے ہی عینی مشاہدات کو ایمان کے سلسلے میں علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ایمان و ایقان کی پختگی کا زیادہ تر تعلق ہر نبیؑ کی اپنی شریعت کے اصول و فروع اور عقائد و اعمال کی ان اثر آفرینیوں سے ہوتا ہے جن سے متعلقہ قوم کی تقدیر مرتب ہوتی ہے۔ یہی ایمان کے صعود و نزول اور بلندی و پستی کا اصل میدان اور جولان گاہ ہے۔ اور اسی کا مشاہدہ ہر نبیؑ کو عالم ظاہر یا عالم روح میں لازمی طور پر اس انداز سے کرایا جاتا ہے جس کے بعد دل میں شک و ریب کی ادنیٰ سی خلش بھی باقی نہیں رہتی۔ یہ چیز حاصل ہو تو بعث بعد الموت پر بھی کسی قابل ذکر استبعاد کا سامعۂ قلب میں بھنک تک نہیں پڑتی۔ ہاں مشاہدے کی درخواست بھی بے جا نہیں کہ کارخانۂ قدرت سے متعلق اطمینان کا وہ کونسا درجہ ہے جس سے اوپر کا تصوّر نہ کیا جا سکے۔

مزید وضاحت اس بات کی یہ ہے کہ انسان یہ جاننے کا مکلّف ہرگز نہیں کہ جو کچھ ہوا وہ کیوں اور کیسے ہوا؟ وہ مکلّف ہے تو اسی بات کا کہ جو کچھ ہوگا وہ کیوں ہوگا یہاں بھی "کیسے" کی تفصیلات معلوم کرنی اس کی ذمّہ داریوں کا حصّہ نہیں۔ گویا کہ اس کی اپنی عملی زندگی سے پیشتر ماضی کے بارے میں اس پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ گذشتہ واقعات کا جاننا آنے والے حالات کے سمجھنے میں مفید و مددگار ہو اور اسی ناطے سے اس پر حاوی ہونے کی کوشش کی جائے۔ مگر اس کا اصل کام مستقبل کی تعمیر و تشکیل ہے جس کا میٹریل اور مادہ اسی کی نیت اور عمل سے تیار رہتا ہے۔ مستقبل سے متعلق اس "کیوں" کا جواب ہر دور کی وہ شریعت ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے کسی پیغمبر کے بالواسطہ نازل ہوتی ہے اور جس پر یقین و عمل کرنے سے،

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۝ (سورۃ عنکبوت آیت ۶۹)	اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے۔

اور

مَنْ عمل بما علم ورثه الله علم مالم یعلم	جس نے عمل کیا اس پر جو جانا اللہ تعالیٰ اس کو علم دے دے گا انجانے کا بھی۔

کے بموجب اس سلسلے کی "کیسے" کی تفصیلات بھی حسب المراتب سمجھنی اور دیکھنی نصیب ہوتی ہیں[1]

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصدِ وحید یہی ہوتا ہے کہ وہ مستقبل سے متعلق "کیوں" کا جواب یا بالفاظِ دیگر تاثیرِ اعمال کی تفصیلات یا زیادہ آسان اور جامع اصطلاح میں شریعت کا علم فراہم کر دیں چنانچہ ان کی ساری زندگیاں اسی فرض کی بجاآوری کیلئے وقف ہوتی ہیں لیکن اس منصبی فرض سے پوری طرح اور مؤثر انداز میں عہدہ برآ ہونے کے لئے اولاً تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ جس مشن پر اس کو مقرر کیا گیا ہے، اس کی صحت و استواری پر وہ ایقان و اطمینان ہو جو کسی کی تردید یا تشکیک سے قطعاً متاثر نہ ہو۔ ورنہ دعوت کے جانگسل اور صبر آزما کام میں نہ تو بیان و برہان کی خوش اسلوبی اور شہ زوری ہوگی اور نہ ہی جہد و سعی میں مداومت و استقامت اور ثانیاً یہ کہ انبیاء صلوٰت اللہ علیہم والتسلیمات اپنی

---

[1] اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس درجہ شریعت کی پابندی اخلاص و مداومت کے ساتھ ہوگی اسی درجہ میں "کیسے" کی تفصیلات کا انکشاف کم و بیش اور علمی و روحانی اور مادی رنگ میں ہوگا۔ پھر یہ انکشاف جس قدر زیادہ اور قوی ہوگا اس کا اثر پلٹ کر دوبارہ اخلاص و مداومت پر پڑے گا اس طرح سے تاثیر و تاثر کے اس تبادلے میں نامعلوم حد تک پیش رفت ہوگی لیکن انکشاف کی یہ ترتیب و تدریج عام لوگوں کے لئے ہے نبیؑ کو بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ جب نبوت ہی کسبی نہیں بلکہ وہبی اور لدنی ہے تو یہ انکشاف بھی کسی کسب پر موقوف ہرگز نہ ہوگا۔

[2] تاثیرِ اعمال کی تفصیلات یا علم شریعت سے مراد یہ بتلانا ہے کہ نیک اعمال سے ایک حسین (باقی صفحہ آئندہ پر)

سچائی و صداقت پر ایک ایسی واضح دلیل بھی پیش کر سکتے ہوں جو انسانی تجربے کی گرفت میں آنیوالا نہ ہو انہیں دوگونہ ضروریات کی تکمیل کے لئے قدرت ہرنبیؐ کو "سرِّ ملکوت" بالخصوص اعمالِ انسانی کی تاثیرات کا عملی تجربہ بھی کراتی ہے اور کچھ خوارق ـــ معجزات ـــ بھی عطا کرتی ہے۔

اس بحث کے بعد اب ان تکوینی مشاہدات کا جائزہ لینا ہے جن کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اجسام و مظاہر کی تخلیق سے اعتیاد و اِئتناس کے وہ پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں جن میں اس کی اعجوبہ کاریاں محجوب ہوتی ہیں۔ چنانچہ تدریج کے جامے میں دیکھی بھالی حقیقتیں اچنبھے بن جاتی ہیں۔

عین الیقین کے سلسلے میں ان مشاہدات کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے قیامت کا ایمان بالغیب ایک مشاہدہ بن جاتا ہے۔ اس سے متعلقہ ہر شک و شبہ زائل ہو جاتا ہے اور دل اضطراب کے بعد اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سب سے بڑا اور اہم غیب شریعت کی صحت و صداقت ہے۔ اس میں عین الیقین کا درجہ حاصل ہو تو دوسرے تمام مغیبات کو اس کی روشنی میں بڑی آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے! بھلا جو شخص اعمال کی گوناگونی سے انسان کے دنیا و آخرت کی زندگیوں میں بناؤ اور بگاڑ کی تازہ کاریاں دیکھ رہا ہو اس کو بعث بعد الموت پر قدرت میں ادنیٰ سے ادنیٰ تردّد کا کیا سوال و مجال! اعمال کا جو کہ محض اعراض ہیں، دنیا و آخرت کی نعمتوں یا نقمتوں کی شکل اختیار کرنے میں جو استبعاد ہے، بعث بعد الموت یا احیائے موتیٰ میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ علاوہ ازیں اعراض کے تشکّل و تجسّم کا اس مادی دنیا میں کوئی واضح نمونہ موجود نہیں جبکہ احیائے موتیٰ کے نظائر و شواہد سے دنیا بھری پڑی ہے جن کی طرف معمولی سا التفات بھی ہر شک و شبہ کو زائل کرنے کیلئے کافی ہے۔

قرآن حکیم نے جابجا ان نظائر پر بڑے پیارے اور دلکش انداز میں روشنی ڈالی ہے "گلے از گلزارے" کے طور پر چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(تسلسل) اور پسندیدہ مستقبل کا نقشہ تیار ہوگا اور برے اعمال سے بھدے اور بھیانک مستقبل کا اور پھر برے اعمال کے اصول اور ضروری جزئیات کی وضاحت۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ
خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا
الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ
اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ
الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(سورۃ حم السجدۃ آیت ۳۹)

اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے
کہ تو زمین کو دیکھتا ہے دبی دبائی
پڑی ہے لیکن جب ہم اس پر پانی
برسا دیتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے
اور پھولتی ہے تو وہی جس نے اس
زمین کو جی اٹھایا وہی مردوں کو بھی
کھڑا کرے گا۔ بے شک وہی ہر چیز
پر قادر ہے۔

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ
يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً
فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى
اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ
يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۝

(سورۃ قیامۃ آیات ۳۷تا۴۰)

کیا یہ شخص (محض) ایک قطرۂ منی نہ
تھا جو ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا
لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اسے انسان
بنایا پھر اعضاء ٹھیک کئے پھر اس
کی دو قسمیں کر دیں، مرد اور عورت
تو کیا ایسی (ذات) اس پر قدرت
نہیں رکھتی کہ مردوں کو زندہ کرے۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ
رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ
اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَ
هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ
نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝
اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ
يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَ
هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں
کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں۔
آپ کہہ دیجئے انہیں وہی زندہ کریگا
جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا۔
اور وہی سب طرح کا پیدا کرنا خوب
جانتا ہے اور وہ ایسا ہے کہ ہرے
درخت سے آگ تمہارے لئے پیدا
کرتا ہے پھر تم اس سے (اور) آگ
سلگا لیتے ہو تو کیا جس نے آسمانوں
اور زمین کو پیدا کر ڈالا ہے اس پر

(سورۃ یٰسین آیات ۷۸ تا ۸۱) قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے، ضرور (قادر ہے) اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے۔ خوب جاننے والا ہے

ان حقائق کے پیش نظر ہم یہ کہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے کہ ایمان کے سلسلے میں عین الیقین تو ہر نبی کو "سیرِ ملکوت" خاص کر اعمالِ انسانی کی تاثیرات کے اپنے مناسب حال مشاہدے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ؛

وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ط اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔
(سورۃ انعام آیت ۷۵)

کو ابراہیم علیہ السلام کے سیر ملکوت کے ساتھ جس طرح سے جوڑا گیا ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے لیے ضروری یقین کا سیر ملکوت سے خاص تعلق ہے اسی "سیر ملکوت" سے احیائے موتیٰ، سرِ تکوین پر بھی اس قدر روشنی پڑ جاتی ہے جس میں تردد نام کی کوئی چیز ٹکنے کی نہیں۔ ہاں مادی آنکھوں سے نظارہ کی تو بات ہی اور ہے مگر اس سے پہلے اور بعد والے اطمینان میں کوئی نوعی فرق ہرگز نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ ایک صنفی فرق مانا جا سکتا ہے۔

قارئین متوجہ ہوں!

ماہنامہ "حکمت قرآن" کے بعض مستقل خریداروں کی شکایت کے پیش نظر ادارے نے طے کیا ہے کہ آئندہ سے چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع پیشگی طور پر دو ماہ قبل دے دی جایا کرے گی، تاکہ جو حضرات منی آرڈر بھیجنا چاہیں وہ بروقت منی آرڈر ہمیں ارسال کر دیں۔ اور اس طرح یہ تکلیف دہ صورت نہ پیش آئے کہ آپ کی جانب سے منی آرڈر بھیجا جا چکا ہو لیکن بروقت ہم تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہم یہاں سے رسالہ وی پی بھیج دیں (ادارہ)